سبیل السعید

(نیک بختی کی راہ)

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
۱	خطبۂ ماثورہ	۷
۲	حق تعالیٰ کی شفقت	۷
۳	رفع اشکال	۹
۴	انسان میں احکام کی مخالفت کا مادہ ہونے کی حکمت	۱۰
۵	رحمتِ حق کا ظہور	۱۱
۶	کاملین کا حال	۱۲
۷	کاملین کو ابتلاء کی وجہ	۱۲
۸	انسان کو فطرۃً حق تعالیٰ سے محبت ہے	۱۳
۹	واعظین کی غلطی	۱۴
۱۰	عشق کا مقتضاء	۱۴
۱۱	دین میں آسانی کا اہتمام	۱۵
۱۲	صاحبِ قبض کی حالت	۱۶

۱۳	مولانا یعقوب صاحبؒ کی فراست	۱۷
۱۴	الفاظ کی تاثیر	۱۷
۱۵	کلمات کی تاثیر کا حکیمانہ علاج	۱۸
۱۶	مولویانہ شبہ کا جواب	۱۹
۱۷	ذکر کا فائدہ	۲۰
۱۸	کیفیات باطنیہ کے بارے میں حضرت تھانویؒ کا فیصلہ	۲۱
۱۹	مطلوب کی اقسام	۲۱
۲۰	جذبات کی رعایت	۲۲
۲۱	کیفیات کافر کو بھی حاصل ہوسکتی ہیں	۲۳
۲۲	حضرت گنگوہیؒ کا ارشاد	۲۳
۲۳	تشریح آیت	۲۴
۲۴	رسول پاک ﷺ سے غایت تعلق کا سبب	۲۵
۲۵	علماء کا مرتبہ	۲۶
۲۶	آج کل کے مجتہدین	۲۷
۲۷	فقہاء کا اجتہاد	۲۷
۲۸	غیر مقلدین کے فقہاء پر اعتراض کا جواب	۲۹
۲۹	غیر مقلدین سے شکایت	۲۹

۳۰	غیر مقلدین کو نصیحت	۳۰
۳۱	عام آدمی اجتہاد کی اہلیت نہیں رکھتا	۳۰
۳۲	عوام کے لئے اتباعِ علماء لازم ہے	۳۱
۳۳	علماء احکام کی علتیں بیان نہ کریں	۳۲
۳۴	علماء کو نصیحت	۳۳
۳۵	مریدین کو نصیحت	۳۴
۳۶	سید صاحب کا مذاق توحید	۳۴
۳۷	مجتہدین ائمہ کا وجود رحمت ہے	۳۵
۳۸	علماء کو اللہ تعالیٰ سے خاص تعلق قائم کرنے کی ضرورت ہے	۳۶

وعظ

سبیل السعید

(نیک بختی کی راہ)

مجدد الملت حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہ نے یہ وعظ مولانا سعید الدین صاحب ممبر دارالعلوم دیوبند کی فرمائش پر مسجد خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون میں ۱۳ ربیع الثانی ۱۳۴۶ھ کو بعد نماز جمعہ کرسی پر تشریف فرما ہوکر ۱ ½ گھنٹہ تک ارشاد فرمایا۔

جس میں اس بات کو بیان فرمایا کہ جس طرح عوام پر علماء کا اتباع واجب ہے اسی طرح مرید پر شیخ کا اتباع واجب ہے بشرطیکہ کوئی حکم خلافِ شریعت نہ ہو۔

سامعین کی تعداد تقریباً ۱۰۰ تھی ہر طبقہ کے لئے مفید ہے محدث کبیر علامہ ظفر احمد عثمانیؒ نے قلم بند فرمایا۔

اللہ تعالیٰ وعظ کے محرک، ناقل اور محشی سب کے لئے اس وعظ کو ذخیرہ آخرت بنائے آمین

خلیل احمد تھانوی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

خطبۂ ماثورہ

الحمد للّٰہ نحمدہٗ و نستعینہٗ ونستغفرہٗ و نؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللّٰہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد ان لا الٰہ الا اللّٰہ وحدہ لا شریك لہ ونشھد انّ سیدنا ومولانا محمدًا عبدہ ورسولہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ اٰلہ واصحابہ و بارك وسلم **اما بعد:**

فاعوذ باللّٰہ من الشیطٰن الرّجیم بسم اللّٰہ الرّحمن الرّحیم۔

﴿واَن ھٰذَا صراطی مستقیما فاتبعوہ﴾ (۱)

حق تعالیٰ کی شفقت

یہ ایک لمبی آیت کا ٹکڑا ہے جس میں حق تعالیٰ نے تمام دین کا خلاصہ ارشاد فرمایا ہے۔ تمام دین اس کی تفسیر ہے پھر اللہ تعالیٰ نے اس کو ایسے خاص عنوان سے بیان فرمایا ہے جس کا اثر یہ ہے کہ اس کو سن کر عمل کی رغبت ہوتی ہے۔ اور یہ حق تعالیٰ کی رحمت ہے کہ وہ احکام جو فی نفسہٖ آسان ہیں مگر مخالفتِ نفس اور منازعتِ نفس (۲) کے عارض سے دشوار ہوگئے ہیں اُن کو نہایت سہل عنوان سے بلکہ شوق دلانے والے عنوان سے بیان فرمایا ہے تاکہ یہ عارضی دشواری شوق کی حرکت سے مغلوب ہوجائے۔ اور یہ دلیل ہے حق تعالیٰ کے شفیق ہونے کی، حق تعالیٰ نے

(۱) ''اور یہ کہ یہ دین میرا راستہ ہے جو کہ مستقیم ہے سو اس راہ چلو'' سورۂ انعام: ۱۵۳ (۲) نفس کی مخالفت کیوجہ سے ان پر عمل کرنا مشکل ہوگیا۔

ہمارے ساتھ ضابطہ کا تعلق نہیں رکھا ہے اور جتنے ضوابط وقواعد حق تعالیٰ نے مقرر فرمائے ہیں اُن میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ سب بندوں کی مصلحت کے لئے ہیں۔ وہ ضابطہ محضہ (۱) نہیں بلکہ عین شفقت ہے اس کی ایسی مثال ہے جیسے کوئی بچہ کنویں میں گرنے لگے تو اُس کو گرنے سے اِس طرح روکتے ہیں کہ ہاتھ پکڑ لیتے ہیں اور دو چار طمانچہ (۲) لگا کر وہاں سے ہٹا دیتے ہیں شفقت کا ہٹانا یہی ہے نہ یہ کہ اہلِ حکومت کی طرح ضابطہ سنا دیا جائے جیسے حکام وسلاطین اور اُن کے نُوّاب (۳) کا طریقہ ہے کہ منادی (۴) کرنے والا ایک طرف سے منادی کرتا چلا گیا چاہے کوئی سنے یا نہ سنے، سمجھے یا نہ سمجھے اور رغبت ہو یا نہ ہو سو یہ ضوابط ہیں۔

اور حق تعالیٰ کے احکام میں ایسے ضوابط نہیں ہیں ہاں صورت ضوابط کی ہے سو اس کی ایسی مثال ہے جیسے حکیم دوا کی مقدار معین کرتا ہے وقت مقرر کرتا ہے پرہیز متعین کرتا ہے تو ظاہر ہے یہ بھی ضوابط ہیں مگر حقیقت میں یہ محض ضوابط نہیں ہیں کیونکہ اگر یہ ضوابط مرتفع (۵) ہو جائیں تو حقیقت میں ہلاک ہوگا۔ طبیب یہ قیدیں صرف مریض کی مصلحت سے لگاتا ہے اپنی مصلحت کے لئے نہیں لگاتا۔ اسی طرح حق تعالیٰ شانہٗ نے اپنی شانِ حکومت کے لحاظ سے ضوابط مقرر نہیں فرمائے بلکہ بندوں کی مصالح اور منافع کے لئے متعین فرمائے ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ ایسا نہ کرتا ہے تو بندوں ہی کا ضرر تھا۔ پس احکام میں بظاہر جو کچھ قواعد وضوابط ہیں اُن کا مبنیٰ (۶) شفقت ہے اور اسی شفقت کا یہ اثر ہے کہ اللہ تعالیٰ احکام کو ایسے عنوان سے بیان فرماتے ہیں جس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ بندوں کو اُن کو اختیار کرنے کی رغبت پیدا ہوتی اور شوق پیدا ہو جاتا ہے جیسے باپ بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے اس کی رعایت کرتا

(۱) وہ صرف قانون نہیں ہیں (۲) تھپڑ مار کر (۳) نائب کی نائبین/نواب (۴) اعلان کرنے والا (۵) اگر یہ قاعدے قانون اٹھا دیئے جائیں تو ہلاک ہو جائے (۶) بنیاد۔

ہے کہ بیٹا سمجھ لے اور اُس کی سمجھ میں بات آجائے۔ چنانچہ اس آیت میں بھی اسی طرزِ شفقت کی پوری رعایت ہے۔ فرماتے ہیں: ﴿ وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ ﴾ واقعی یہ میرا راستہ ہے ﴿ هٰـــذَا ﴾ کا اشارہ اوپر کے احکام کی طرف ہے جو امہاتِ احکام ہیں (۱) جو تمام دین کا خلاصہ ہیں مگر وہ تو اجمال بصورت تفصیل تھی اور یہ یعنی آیت ﴿ اَنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا ﴾ اجمال بعد التفصیل ہے۔

رفع اشکال

قبل ازیں کہ میں اس آیت کے عنوان میں طرزِ شفقت کو واضح کروں ایک اشکال کو رفع کر دینا چاہتا ہوں۔ وہ یہ کہ شاید کسی ذہین کے دل میں یہ سوال پیدا ہوا ہو کہ اللہ تعالیٰ تو اس پر بھی قادر ہے کہ ہم کو بدون ابتلاء بالاحکام (۲) کے جنت عطا فرمادیں اور شفقت کا مقتضی بھی بظاہر یہی تھا کہ ابتلاء سے محفوظ رکھ کر ہم کو نجات عطا فرماتے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ بیشک حق تعالیٰ اس پر قادر ہیں کہ بدون ابتلاء وامتحان کے سب کچھ عطا فرمادیتے مگر وہ ایسا نہیں کرتے بلکہ انسان کو ابتلاء وتکلیف کے بعد ہی دولتِ قرب عطا فرمادیتے ہیں (اور قرب ہی کا نام نجات ہے اور ہلاکت فراق وبُعد کا نام ہے ؎

شنیدہ ام سُخن خوش کہ پیر کنعاں گفت　　فراقِ یار نہ آن می کند کہ بتواں گفت
حدیثِ ہولِ قیامت کہ گفت واعظِ شہر　　کنایتیست کہ از روزگارِ ہجراں گفت ۱۲ اظ) (۳)

چنانچہ ایک مقام پر ارشاد ہے: ﴿ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَكُوْا اَنْ

(۱) اصل احکام ہیں (۲) بغیر احکام کا پابند کئے جنت دیدیں (۳) میں نے پیر کنعان کی اچھی بات جو اس نے کہی سن لی ہے قیامت کے ہولناک منظر کی بات جو واعظ نے بتائی ہے یہ دراصل زمانہ کے چھوڑنے کی بات ہے جو اس نے کہی ہے۔

یَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَھُمْ لَا یُفْتَنُوْنَ ﴾(۱) رہا یہ کہ اس کی وجہ کیا ہے سو اس کے بارے میں ہمارے بزرگوں کا مسلک یہ ہے کہ حکم کی تفصیل میں گفتگو نہیں فرماتے اُن کا طریقہ یہ ہے (اَبْھِمُوْا مَا اَبْھَمَ اللّٰہُ) کہ جس چیز کو خدا تعالیٰ نے مبہم رکھا ہے تم بھی اس کو مبہم ہی رکھو۔ پس اجمالاً ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ ابتلاء میں حکمت ضرور ہے گو ہم کو معلوم نہ ہو اور اس باب میں ایک بات جو بے ساختہ دل میں آئی ہے وہ یہ ہے کہ اگر انسان سے طاعت بدونِ ابتلاء مقصود (۲) ہوتی تو اس کے لئے ملائکہ پہلے سے موجود تھے انسان کے پیدا کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ کیونکہ ملائکہ میں اطاعت بدون ابتلاء (۳) ہے ان میں منازعت کا مادہ ہی موجود نہیں۔

انسان میں احکام کی مخالفت کا مادہ ہونے کی حکمت

اور انسان کے اندر مقاومت و منازعت احکام (۴) کا مادہ رکھا گیا ہے مگر وہ ایک خاص درجہ پر ہے اور وہ بھی تکمیل اجر کے لئے اس میں رکھا گیا ہے کیونکہ طاعت بلا منازعت سے طاعت بمنازعت افضل ہے (۵) بوجہ مجاہدہ کے۔ اور درجہ خاص کی قید میں نے اس لئے لگائی کہ اگر منازعت خاص درجہ پر نہ ہوتی تو (اَلدِّیْنُ یُسْرٌ) کے خلاف ہوتا اس لئے میں نے یہ قید لگادی اور یہ منازعت (۶) بھی ابتدا ہی میں ہوتی ہے بعد رسوخ کے یہ منازعت بھی باقی نہیں رہتی بلکہ احکام الٰہیہ امورِ طبعیہ بن جاتے ہیں حق تعالیٰ نے افعال حسیہ میں بھی یہی قاعدہ رکھا ہے چنانچہ مشی (۷)

(۱) ''کیا ان لوگوں نے یہ خیال کر رکھا ہے کہ وہ اتنا کہنے سے چھوٹ جائیں گے کہ ہم ایمان لے آئے اور انکو آزمایا نہ جاویگا'' سورۂ عنکبوت:۲ (۲) فرمانبرداری بغیر آزمائش مطلوب ہوتی (۳) فرشتے بغیر آزمائش اللہ کا کہنا مانتے ہیں (۴) برابری کرنے اور جھگڑا کرنے کا مادہ رکھا گیا ہے (۵) ایسی عبادت جو بغیر کسی رکاوٹ کے ہو اس سے وہ عبادت افضل ہے جس میں رکاوٹیں ہوں۔ (۶) یہ رکاوٹ بھی ابتدا میں ہوتی ہے عادت کے بعد نہیں ہوتی (۷) چلنے میں بھی پہلا قدم اٹھانے کے لئے ارادے کی ضرورت پڑتی ہے دوسرا قدم خود بخود اٹھتا ہے۔

وغیرہ میں ابتداء ہی میں ارادہ کی ضرورت ہوتی ہے پھر ہر قدم پر ارادہ کی ضرورت نہیں رہتی بلکہ وہی پہلا ارادہ مستمر قرار دیا جاتا ہے اور اسی کی وجہ سے اس کو فعل اختیاری کہا جاتا ہے۔

رحمتِ حق کا ظہور

اس پر یہ شبہ نہ ہو کہ شاید پھر ثواب کم ہو جاتا ہوگا کیونکہ طاعت بلا منازعت سے طاعت بمنازعت افضل ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا معاملہ یہی ہے کہ ابتدائے منازعت کا مقابلہ کرنے کے بعد ثواب منازعت ہی کا ہمیشہ ملتا ہے کیونکہ اس نے تو اپنی طرف سے مقاومتِ منازعت کے دوام کا قصد (۱) کر کے عمل شروع کیا ہے چنانچہ ہر مسلمان جو نماز روزہ کا پابند ہے اس کا ارادہ یہی ہے کہ ہمیشہ نماز پڑھوں گا ہمیشہ روزہ رکھوں گا خواہ نفس کو کتنا ہی گراں ہو۔ اب یہ حق تعالیٰ کی رحمت ہے کہ وہ بعد میں منازعت کو باقی نہیں رکھتے مگر چونکہ بندہ نے ہمیشہ کے لئے اس منازعت کا مقابلہ کرنے کا ارادہ کرلیا ہے اس واسطے اس کو زوالِ منازعت کے بعد بھی بوجہ نیت دوام (۲) کے وہی ثواب ملتا ہے جو منازعت کے ساتھ ثواب ملتا۔ تو جیسے مشی (۳) کو فعل اختیاری اسی لئے کہا جاتا ہے کہ ابتداء میں اختیار وارادہ کی ضرورت ہے گو بعد میں ضرورت نہیں رہتی اسی طرح یہاں بھی گو بعید میں منازعت نہیں رہتی مگر چونکہ ابتداء میں منازعت کی مخالفت کی ضرورت تھی اس لئے انتہا تک اس مخالفت منازعت کو حکماً مستمر قرار دیا جائیگا (۴)

(۱) اس نے تو اس نیت سے عمل شروع کیا کہ اگر نفس مخالفت کریگا تو بھی میں اس کا مقابلہ کر کے عمل کرونگا (۲) ہمیشہ اس رکاوٹ کا مقابلہ کرنے کی نیت ہونے کی وجہ سے اس کا ہمیشہ ثواب ملتا ہے (۳) جیسے چلنے کو فعل اختیاری کہا گیا ہے (۴) اس لئے اب اگرچہ عادت ہو جانے کی وجہ سے عبادت مشکل نہیں ہے لیکن اس کو بمشقت عبادت کرنے ہی کا ثواب ملے گا۔

اور یہاں سے پتہ لگتا ہے حق تعالیٰ کی رحمت کا' ورنہ عقل کا مقتضاء یہ ہے کہ جب منازعت ختم ہوجائے اور عبادت میں لذت و حظ پیدا ہوجائے تو اس شخص کو اجر نہ ملے کیونکہ اب طاعت مع الابتلاء نہیں ہے اس وقت عقل کہتی ہے کہ یہ شخص اجر کا مستحق نہیں مگر حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تجھے ہمارے بندہ سے محبت نہیں ہے ہم اس کو منازعت ہی کا اجر دینگے گو اب محنت کچھ نہیں رہی مگر اب ہم اس کو پنشن دینگے لیکن عقل پنشن کو جائز نہیں کرتی جیسے معتزلہ نے کہا ہے کہ گناہوں پر سزا دینا ضروری ہے۔ عفو و مغفرت خلاف عقل ہے۔

کاملین کا حال

پس یوں کہئے کہ رسوخ کے بعد بندہ کی وہ حالت ہوجاتی ہے جو بعضے پیروں کی حالت سنی گئی ہے کہ جب کوئی مرید ان کی دعوت کرتا ہے تو وہ دعوت کے بعد نذرانہ بھی لیتے ہیں جس کو دانت گھسائی کہنا چاہئے ایک پیرزادہ کو دعوت کے بعد پچاس روپے دیے گئے تو اس نے پھینک دیے اور کہا کہ کیا ہماری شان پچاس روپیہ کے لائق ہے؟ غرض دوسو روپیہ لے کر ٹلے' تو حق تعالیٰ نے یہ کر کے دکھلا دیا کہ وہ بندہ کو دانت گھسائی بھی دیتے ہیں کیونکہ انتہا میں طاعت کا بجالانا کچھ کمال نہیں رہتا بلکہ اس کے ترک میں تکلف ہوتا ہے آخر میں وہ حالت ہوجاتی ہے جو حدیث میں رسول اللہ ﷺ کی شان میں وارد ہوئی: ((كَانَ خُلُقُهُ الْقُرْاٰنُ)) کہ قرآن پر عمل کرنا آپ کی طبیعت تھی آپ کی تو یہ فطرت ہی سے طبیعت تھی مگر کاملین کی بھی اخیر میں اسی کے قریب حالت ہوجاتی ہے۔

کاملین کو ابتلاء کی وجہ

اور اس وقت اس کے حق میں وعیدات کی ایسی شان ہوجاتی ہے جیسے ماں

بچہ کو بعض دفعہ دودھ پلانا چاہتی ہے اور وہ کھیل کے شوق میں بھاگتا ہے تو وہ اس کے چپت لگاتی ہے حالانکہ وہ جانتی ہے کہ یہ خود دودھ پئے گا کیونکہ دودھ سے اس کو خود ہی رغبت ہے مگر اظہارِ شفقت کے لئے چپت لگاتی ہے ایسے ہی منتہی کے لئے یہ وعیدات بغرض اظہار شفقت ورحمت ہیں۔

انسان کو فطرۃً حق تعالیٰ سے محبت ہے

بلکہ میں کہتا ہوں کہ مبتدی کے لئے بھی وعید محض اظہار شفقت و رحمت ہیں کیونکہ بات یہ ہے کہ انسان کو فطرۃً حق تعالیٰ سے محبت ہے اور مبتدی کو جو احکام میں منازعت ہوتی ہے یہ خلاف محبت نہیں بلکہ اس کا منشاء یہ ہے کہ محبت کی وجہ سے اس کو حق تعالیٰ پر ناز ہے۔ یہ یوں کہتا ہے کہ جب مجھے محبت ہے تو مجھے آرام دینا چاہئے میرے اوپر یہ تکالیف اور قیود کیوں ہیں اور بزبانِ حال یوں کہتا ہے ؎

ہم نے الفت کی نگاہیں دیکھیں جانیں کیا چشمِ غضبناک کو ہم

یہ آج کل کے واعظوں کی زیادتی ہے کہ مسلمانوں کو محبت حق سے خالی سمجھتے ہیں اور وعظ میں مسلمانوں کو ملامت کرتے ہیں کہ تم کو نہ خدا سے محبت ہے اور نہ خدا کی عظمت ہے حکام کے سمن اور طلبی پر تو تم فوراً بے چون و چرا کے عدالت میں حاضر ہوتے ہو خواہ گرمی ہو یا سردی یا برسات کوئی چیز تم کو مانع نہیں ہوتی اور خدا کے احکام میں سو بہانے اور حیلے نکالتے ہو سو یہ دلیل غلط ہے کیونکہ رعایا کو حکام سے محبت نہیں ان کے احکام شاقہ سے رعایا کو تعجب نہیں ہوتا لوگ جانتے ہیں کہ حاکم غیر ہے اس سے ہم کو کیا تعلق اور وہ ہماری راحت وکلفت کا کیوں لحاظ کرے اس لئے ان کے احکام میں منازعت وکشاکشی نہیں ہوتی (۱) اور حق تعالیٰ سے انسان

(۱) ان کے احکام پر عمل پیرا ہونے میں تردد اور کھینچا تانی نہیں ہوتی۔

کو محبت ہے اور خاص تعلق ہے ان کی طرف سے جو حکم اور قید آتی ہے اس میں بوجہ ناز کے مچلتا(۱) ہے کہ ایسے رحیم و کریم نے میرے اوپر مصیبت کیوں ڈالی؟

واعظین کی غلطی

واعظوں نے اس فرق کو نہیں سمجھا خواہ مخواہ مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کی محبت وعظمت سے خالی بتلا کر ان کے دلوں کو مجروح(۲) کرتے ہیں گویا بس ایک یہی واعظ صاحب تو حق تعالیٰ کے چاہنے والے ہیں۔ حضرت عارف شیرازیؒ نے ایسے واعظین کی خوب خبر لی ہے فرماتے ہیں ؎

واعظاں کیں جلوہ برمحراب و ممبر می کنند چوں بخلوت می رسند ایں کار دیگری کنند (۳)

اس میں بعض واعظوں کے دل میں یہ تاویل آ چکی ہے کہ حافظ صاحب کا مطلب یہ ہے کہ خلوت میں جا کر یہ لوگ ذکر و شغل کرتے ہیں جی ہاں بس خوش ہو لو ذرا اس سے آگے بھی پڑھ لو ؎

مشکلے دارم زدانشمند مجلس باز پرس توبہ فرمایاں چرا خود توبہ کمتر می کنند (۴)

واعظین گریبان میں منہ ڈال کر دیکھیں کہ وہ خود بھی خلاف ورزی احکام کی کس قدر کرتے ہیں پھر بھی اپنے بیان کے موافق محبت سے خالی ہیں اور اگر وہ خالی نہیں تو عوام بھی خالی نہیں بلکہ سب کو اللہ تعالیٰ سے محبت ہے۔

عشق کا مقتضاء

اور چونکہ انسان کو اللہ تعالیٰ سے محبت ہے اس لئے اس مقام پر فرماتے

(۱) نخرے کرتا ہے (۲) دلوں کو زخمی کرتے ہیں (۳) یہ واعظ صاحب محراب و منبر پر تقریر کر کے علم کے موتی بکھیر رہے تھے اور جب تنہائی میں جاتے ہیں تو دوسری قسم کے اعمال کرتے ہیں (۴) بڑی مشکل میں مبتلا ہوں کہ جب میں نے دانشمند مجلس سے پوچھا کہ آپ نے جو وعظ میں ارشاد فرمایا تھا تو آپ اس سے کمتر درجہ پر کیوں عمل کر رہے ہیں۔

ہیں: ﴿ وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا ﴾ کہ یہ میرا راستہ ہے سیدھا جس میں اس راستہ کو اپنی طرف اس لئے منسوب فرمایا کہ سننے والوں کو حظ (۱) آئے کہ یہ محبوب کا راستہ ہے اس عنوان سے سب کو اس کی طرف حرکت ہوگی خواہ اس اضافت کا یہ مطلب ہو کہ یہ راستہ میرا ایجاد کیا ہوا میرا بتلایا ہوا ہے یا یہ مطلب ہو کہ اس پر چل کر تم مجھ تک یعنی میری رضا تک پہنچ سکتے ہو خواہ کچھ ہی مطلب ہو مگر ہر حال میں محبت کا یہی اثر ہے کہ جب عاشق کو یہ معلوم ہو جائے کہ فلاں کام کرنے سے محبوب مجھ سے راضی ہو جائے گا تو اس کو اس کام میں سب مشقتیں آسان ہو جاتی ہیں بلکہ اس سے بڑھ کر اگر محبوب کی تجویز رضا کا بھی علم نہ ہو مگر اس کا علم ہو جاوے کہ وہ میری مشقتوں کو دیکھ رہا ہے تب بھی یہی اثر ہوتا ہے۔

چنانچہ ایک عاشق رسوائی عشق کی وجہ سے پٹ رہا تھا اور ذرا اُف نہ کرتا ننانوے کوڑوں کے بعد جو ایک کوڑا اور لگا تو آہ کی، کسی نے پوچھا کہ اس کی کیا وجہ تھی ننانوے کوڑوں پر آہ نہ کی آخر میں ایک کوڑے پر آہ کی؟ کہا ننانوے کوڑوں تک تو محبوب میرے سامنے تھا میری حالت کو دیکھ رہا تھا کہ اس کی محبت میں مجھ پر یہ مصیبت آئی ہے تو اس وقت تک مجھے مصیبت کا احساس ہی نہیں ہوا بلکہ میں یوں کہہ رہا تھا ؎

بجرم عشق توام می کشند و غوغائیست تو نیز بر سر بام آ کہ خوش تماشائیست (۲)

اس کے بعد وہ وہاں سے چلا گیا تو اس وقت مجھے کلفت کا احساس ہوا جب اطلاع محبوب کے علم میں اثر ہے تو رضا و تجویز محبوب کے علم میں تو کیا کچھ اثر ہوگا۔

دین میں آسانی کا اہتمام

اسی بنا پر جب یہاں بندوں کو یہ بتلایا گیا کہ یہ میرا راستہ ہے یعنی میری

(۱) سننے والوں کو لطف آئے (۲) تیرے عشق کے جرم میں مجھے مارا جا رہا ہے اور شور مچا ہوا ہے تو بھی چھت پر آ کر دیکھ کیا تماشہ لگا ہوا ہے۔

رضا کا راستہ ہے یا میرا تجویز کیا ہوا راستہ ہے یہ سنکر اس کی محبت کو حرکت ہوئی اور اب اس راستہ میں ان کو کوئی مشقت محسوس نہ ہوگی۔ کیونکہ وہ سمجھیں گے کہ یہ کلفت محبوب کے راستہ میں ہے اور محبوب کے راستہ میں تو جان بھی جاتی رہے تو کچھ زیادہ نہیں۔ تو دیکھئے کہ اللہ تعالیٰ نے اس عنوان سے طریق کی گرانی کو کیسا پھولوں کا سا ہلکا کر دیا۔ یہی وہ بات ہے جس کو میں نے ابتداء میں عرض کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی کیسی رحمت ہے کہ اول تو دین کو فی نفسہٖ آسان کیا پھر نفس کی کشاکشی سے جو اس میں عارضی گرانی اور مشقت آجاتی ہے۔ اس کو اس طرح دور کیا کہ اس آیت میں تمام دین کا خلاصہ ایسے عجیب عنوان سے بیان فرمایا۔ اپنی طرف اس کی نسبت فرمائی۔ اس کا لطف عشاق سے پوچھو کہ محبوب کے نام لگے کی کیسی محبت ہوتی ہے۔

صاحبِ قبض کی حالت

اور یہیں سے ایک حکایت کی حقیقت معلوم ہوگی جو مولوی مظہر صاحب رام پوری نے جو میرے ساتھ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب قدس سرہٗ کی خدمت میں موجز میں شریک تھے (میں نے موجز کو موجز ہی پڑھا ہے ورنہ مطول ہوجاتی) رام پور ریاست کا قصہ بیان کیا کہ ایک شخص صاحب قبض (۱) ایک صاحب ارشاد کے پاس گیا' انہوں نے پوچھا تم کون ہو؟ کہا میں شیطان ہوں' فرمایا اگر شیطان ہو تو لاحول ولا قوۃ الا باللّٰہ ۔ یہ جواب سنکر اس کو مردودیت کا یقین ہوگیا کہ جب ایک شیخ صاحب ارشاد نے بھی مجھ پر لاحول پڑھ دی تو میرے مردود ہونے میں کچھ شبہ نہیں تو اس نے اپنے خادم سے کہا کہ اب اس زندگی سے موت بہتر

(۱) قبض و بسط قلبی کیفیت کا نام ہے محبوب کی تجلی جلالی یعنی آثار عظمت و استغناء کے فی الحال وارد ہونے سے قلب کا گرفتہ ہونا قبض کہلاتا ہے اور اس قبض کے مقابل کیفیت کو بسط کہتے ہیں یعنی آثار لطف و فضل و کرم کے ورود سے قلب کو سرور و فرحت ہونا۔

ہے اس لئے میں خودکشی کروں گا۔ اگر کچھ کسر رہے تو تم پوری کر دینا۔ چنانچہ اس نے خودکشی کی اور جان نکلنے کے بعد مرید نے الجھی ہوئی کھال کو الگ کر دیا۔ اسی حالت میں وہ گرفتار کیا گیا۔ اس نے کہا تم مجھے کیا گرفتار کرتے ہو میں تو خود زندگی سے بیزار ہوں جب میرا پیر نہ رہا تو میں زندہ رہ کر کیا کروں گا۔ تم شوق سے مجھے پھانسی دے دو۔ اس بیان سے حاکم کو اس کے قاتل ہونے میں شبہ پیدا ہوا تو اس نے واقعہ دریافت کیا۔ اس نے سب واقعہ بتلا دیا۔ یہ خبر ان صاحب ارشاد شیخ کو بھی پہنچی۔ انہوں نے بھی تصدیق کی کہ ہاں وہ قبض میں مبتلا تھا اور میرے پاس آیا تھا کچھ تعجب نہیں کہ اس نے خودکشی کر لی ہو۔

مولانا یعقوب صاحبؒ کی فراست

یہ حکایت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ نے سنی تو فرمایا کہ ہم تو ان صاحب ارشاد کو شیخ سمجھتے تھے مگر معلوم ہوا کہ وہ کچھ بھی نہیں۔ ان کو چاہئے تھا کہ جب اس نے کہا تھا کہ میں شیطان ہو تو جواب میں یوں کہتے کہ پھر کیا حرج ہے۔ شیطان بھی تو اسی کا ہے نسبت اب بھی قطع نہیں ہوئی اس سے تسلی ہو جاتی' شاید تم یہ کہو کہ ان الفاظ سے کیا ہوتا تو تم اس کو کیا جانو؟ جس پر قبض طاری ہو چکا وہ اس کے اثر کو سمجھتا ہے۔

الفاظ کی تاثیر

صاحبو! الفاظ میں بڑا اثر ہے اس کو ایک مثال سے سمجھئے۔

مولوی غوث علی صاحب پانی پتی سے کسی نے شیخ اکبر و فرید عطار و مولانا رومی کے متعلق دریافت کیا کہ وحدۃ الوجود میں گفتگو کرنے والے یہی تین حضرات بڑے ہیں۔ ان میں کیا فرق ہے؟ فرمایا تینوں ایک ہی بات کہتے ہیں فرق اتنا ہے

کہ تین مسافر کسی گاؤں میں ایک کنوئیں پر پہنچے۔ ایک عورت پانی بھر رہی تھی اس سے پانی مانگا مگر ایک نے تو یوں کہا کہ اماں مجھے پانی پلادے یہ تو مولانا رومی ہیں' دوسرے نے یوں کہا کہ میرے باوا کی جورو مجھے پانی دیدے یہ شیخ اکبر ہیں' تیسرے نے یوں کہا کہ میرے باوا سے یوں توں کرانے والی مجھے پانی دیدے یہ شیخ فرید ہیں۔ اب غور کر لیجئے کہ ان الفاظ کے اثر میں فرق ہے یا نہیں' اگر کوئی ماں کو اماں کہے تو وہ خوش ہوگی اور اگر باوا کی جورو یا باوا سے یوں توں کرانے والی کہے تو اس کا منہ نوچنے کو تیار ہو جائے گی۔ حالانکہ معنی سب کے متحد ہیں(۱) مجھ پر خود ایک حالت گذری ہے جس میں الفاظ کے اثر کا مجھے پورا مشاہدہ ہوا ہے۔

کلمات کی تاثیر کا حکیمانہ علاج

ایک بار مجھے سخت مرض ہوا اور ایک حکیم صاحب کے پاس قارورہ(۲) بھیجا انہوں نے قارورہ دیکھ کر یہ کہا کہ اس شخص میں تو حرارت غریزیہ(۳) نام کو بھی باقی نہیں' یہ زندہ کیسے ہے قارورہ لے جانے والے نے یہ عقل مندی کی کہ حکیم کا مقولہ مجھ سے آکر بیان کر دیا جس کا مجھ پر بہت زیادہ اثر ہوا میں نے ان کو دھمکایا(۴) کہ یہ بات کیا میرے سامنے کہنے کی تھی۔ تم نے بڑی حماقت کی جاؤ اس کا تدارک(۵) کرو۔ انہوں نے تدارک پوچھا میں نے کہا کہ مکان سے باہر جاؤ اور کچھ دیر میں آکر مجھ سے یوں کہو کہ میں پھر حکیم صاحب کے پاس گیا تھا۔ انہوں نے مکرر(۶) دیکھ کر یہ کہا کہ پہلے جو بات میں نے کہی تھی وہ غلط تھی حالت اچھی ہے کچھ خطرے کی بات نہیں وہ کہنے لگے کہ جب آپ کو معلوم ہے کہ میں آپ

(۱) مطلب سب کا ایک ہی ہے (۲) پیشاب (۳) جس پر حیات موقوف ہو (۴) ڈانٹا (۵) اس اثر کی روک تھام کرو (۶) دوبارہ دیکھ کر۔

کی سکھلائی ہوئی بات کہوں گا تو اسکا کیا اثر ہوگا۔ میں نے کہا تم خواص اشیاء کو کیا جانو؟ جس طرح میں کہتا ہوں تم اسی طرح کرو۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ اس وقت میں نے محسوس کیا کہ ان لفظوں کے سننے سے میری پہلی سی حالت نہ رہی بلکہ ایک گونہ قوت طبیعت میں پیدا ہوئی یہاں تک کہ رفتہ رفتہ علاج سے قوت بڑھتی گئی اور حق تعالیٰ نے پوری شفا عطا فرمادی۔

تو الفاظ میں بھی اللہ تعالیٰ نے اثر رکھا ہے گو ہماری سمجھ میں نہ آئے۔ اطباء سے پوچھو کہ خفقان میں کہربا کی تعلیق کیوں مفید ہے۔ وہ اس کی وجہ بجز تجربہ کے کچھ نہیں بتلا سکتے۔ اسی طرح اہل طریق کو کلمات والفاظ کے اثر کا تجربہ ہو چکا ہے۔ مگر ان کے تجربہ کو اہل ظاہر نہیں جانتے۔

مولویانہ شبہ کا جواب

شاید کسی مولوی کو یہ شبہ ہو کہ ایسے الفاظ سے تسلی کرنا تو جائز نہ تھا کہ شیطان بھی تو اسی کا ہے نسبت پھر بھی باقی ہے کیونکہ اس سے کفار بھی اپنے کو صاحب نسبت سمجھنے لگیں گے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ بعض دفعہ فوری علاج سنکھیا(۱) سے بھی کیا جاتا ہے پھر بعد میں سنکھیا کی سنبھال کر لیتے ہیں اس کو بھی اطباء جانتے ہیں۔ اور اہل اللہ کا تجربہ ہے کہ بعض دفعہ اس کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ دوسرے تم اس میں اضافت تشریفیہ (۲) کیوں لیتے ہو اور خواہ مخواہ اس کو خلاف شرع پر کیوں حمل کرتے ہو معنی لغوی پر کیوں محمول نہیں کرتے۔ آخر شیطان بھی اللہ تعالیٰ ہی کا ہے۔ (یعنی ان کا پیدا کیا ہوا ہے ان کا بندہ ہے ۱۲ ظ) بتلایئے اس میں کیا

(۱) زہر سے علاج کیا جاتا ہے جیسے آج کل فوری علاج کے لئے اسٹیرائڈ دیدیتے ہیں (۲) اس میں شیطان کی طرف نیکی اور شرافت کی اضافت کیوں کرنے ہو بلکہ اسکا مطلب یہ ہے کہ شیطان بھی خدا کی مخلوق ہے۔

خرابی ہے اس قصہ سے معلوم ہوگیا ہوگا نسبت اور اضافت کا اثر اہل محبت پر کس قدر ہوتا ہے تو جب اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا کہ یہ میرا راستہ ہے اس سے محبت کو ہیجان ہوگیا۔ اور اب موانع کا ارتفاع(۱) آسان ہوگیا۔ اب یہ حال ہوجاتا ہے کہ ؎

زندہ کنی عطائے تو ور بکشی فدائے تو دل شدہ مبتلائے تو ہر چہ کنی رضائے تو(۲)

اور اب عاشق زبان حال سے اور بعض دفعہ زبان قال سے یوں کہنے لگتا ہے ؎

ناخوش تو خوش بود برجانِ من دل فدائے یار دل رنجانِ من (۳)

ذکر کا فائدہ

﴿اَنَّ ھٰـذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا﴾ کو سن کر ایک دفعہ تو کافر کو بھی اس کی طرف حرکت ہوگی اور وہ اس راستہ پر چلنا چاہے گا۔ کیونکہ خدا سے محبت کافر کو بھی ہے چنانچہ میں دیکھتا ہوں اور آپ نے بھی دیکھا ہوگا کہ بعض سنیاسی ذکر و شغل کرتے ہیں اور لذائذ کو ترک کردیتے ہیں اس کا منشاء وہی محبت ہے گو وہ غلط راستہ پر چل رہے ہیں اور یہاں سے ایک بات اور بتلاتا ہوں وہ یہ کہ کفار کو ذکر الٰہی سے گو آخرت میں کچھ نفع نہ ہو اور یہ ذکر وہاں ان کے لئے نجات کا سبب نہ ہو مگر دنیا میں ان کو بھی کچھ مل جاتا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿اِنَّ اللّٰـہَ لَا یُضِیْعُ اَجْـرَ الْـمُـحْسِنِیْنَ﴾ (۴) کہ وہ کسی اچھے کام کرنے والے کے اجر کو ضائع نہیں فرماتے بلکہ اگر ذاکر طالب آخرت ہے تو اس کو آخرت میں بھی اجر عطا فرماتے ہیں اور دنیا میں بھی اور طالب دنیا ہے تو اس کو دنیا میں کیفیات نفسانیہ ذوق وشوق

(۱) رکاوٹوں کا دور کرنا آسان ہوگیا (۲) زندگی دیں تو آپ کی عطا ہے موت دیں تو جان آپ پر قربان دل آپ کی محبت میں گرفتار ہے جو مرضی آئے کریں (۳) جان من! تیری جفا بھی مجھے اچھی لگتی ہے۔ میرا دل اس یار پر قربان ہے جو میرا دل دکھاتا رہتا ہے (۴) سورۂ توبہ: ۱۲۰۔

وغیرہ عطا ہوجاتا ہے۔ یہ اس کا اجر ہے۔ اسی لئے محقق حضرات نے فرمایا ہے کہ کیفیات نفسانیہ کے درپے نہ ہو۔ کیونکہ وہ چٹنی ہے اور چٹنی مطلوب نہیں بلکہ مطلوب غذا ہے۔ اب اگر کوئی چٹنی ہی سے پیٹ بھر لے تو اس کا معدہ خراب ہوجائے گا بس چٹنی کا کام یہ ہے کہ غذا کے ساتھ تھوڑی سی کھالی جائے تاکہ غذا اچھی طرح کھائی جائے۔

کیفیات باطنیہ کے بارے میں حضرت تھانویؒ کا فیصلہ

میں نے اس کے متعلق ایک فیصلہ کیا ہے جو مختصر ہے گو یہ لفظ دعوی کا ہے مگر میرا مقصود دعوی نہیں بلکہ یہ ایسا ہے جیسے کہ ہم یوں کہتے ہیں کہ میں نے نماز پڑھی اور روزہ رکھا۔ اور دعوی تو جب ہو کہ یہ فیصلہ میں نے اپنے آپ کیا ہو۔ نہیں نہیں بلکہ یہ ان حضرات کا طفیل ہے جن کی جوتیاں سیدھی کی ہیں اور طوطا اگر کچھ پڑھنے لگے تو یہ اس کا کمال نہیں بلکہ پڑھانے والے کا کمال ہے تو وہ فیصلہ اس کے بارے میں یہ ہے کہ یہ کیفیات محمود (۱) تو ہیں مگر مقصود نہیں اور غیر مقصود بالذات کو مقصود بالذات بنالینا عصیان باطنی اور بدعت باطنیہ (۲) ہے۔ اس لئے ان کے درپے نہ ہو۔ ان کی تمنا نہ کرو ہاں دعا کا مضائقہ نہیں کیونکہ دعا میں خاصیت یہ ہے کہ دعا کے قبول نہ ہونے سے شکایت وقلق (۳) پیدا نہیں ہوتا اور تمنا کے پورا نہ ہونے سے شکایت وقلق ہوتا ہے۔

مطلوب کی اقسام

حق تعالیٰ نے امور اختیاریہ وغیر اختیاریہ کے متعلق یہی فیصلہ فرمایا ہے چنانچہ ارشاد ہے: ﴿وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا وَلِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ وَاسْئَلُوا اللّٰهَ

(۱) پسندیدہ (۲) باطنی گناہ اور باطنی بدعت ہے (۳) رنج۔

مِنْ فَضْلِهٖ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ﴾(۱) میرا ذوق یہ ہے کہ اس آیت میں مطلوب کی دو قسمیں کی گئی ہیں۔ ایک موہوب (۲) جس کو ﴿مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ﴾ اور ﴿وَاسْئَلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ﴾ میں فضل سے تعبیر کیا گیا ہے۔ دوسرے مکسوب (۳) جس کو ﴿لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا وَلِلنِّسَاءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ﴾ میں اکتساب کے عنوان سے بیان کیا گیا ہے۔

اب حاصل یہ ہوا کہ موہوب کی تمنا کرنا نہ چاہئے نہیں بلکہ مکسوب کا اہتمام وفکر کرنا چاہئے۔ مدار نجات اعمال مکسوبہ ہیں اب رہا تمنائے موہوب سے جو ممانعت ہے اس میں نہی تحریم کے لئے ہے یا کراہت تحریم کے لئے یا کراہت تنزیہ کے لئے اس سے مجھے بحث نہیں عشاق سے پوچھو کہ جب محبوب کسی کام سے منع کردے تو کیا عاشق محبوب سے یہ سوال کرسکتا ہے کہ حضور یہ بات آپ کو کس درجہ میں ناپسند ہے کس قدر ناگوار ہے اگر کوئی ایسا سوال کرے گا۔ تو محبوب اس کو نکال باہر کرے گا کہ تو عاشق نہیں۔

جذبات کی رعایت

اس کے بعد حق تعالیٰ ہمارے جذبات کی رعایت فرماتے ہیں کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ موہوب کے لئے ان کا دل للچائے گا ضرور۔ اس لئے دعا کی اجازت دیتے ہیں: ﴿وَاسْئَلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ﴾ (۴) کہ دعا کرسکتے ہو آگے بعض اوقات عدم قبول دعا سے پریشان نہ ہونے کی تعلیم ہے: ﴿اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا﴾ کہ اگر دعا قبول ہونے میں دیر ہو اور قبول کے آثار معلوم نہ ہوں تو گھبراؤ

(۱) ''اور تم کسی ایسے امر کی تمنا مت کیا کرو جس میں اللہ تعالیٰ نے بعضوں کو بعض پر فوقیت بخشی ہو مردوں کے لئے ان کے اعمال کا حصہ ثابت ہے اور عورتوں کے لئے ان کے اعمال کا حصہ ثابت ہے اور اللہ تعالیٰ سے اس کے فضل کی درخواست کیا کرو بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جانتے ہیں'' سورۂ نساء: ۳۲ (۲) اللہ کی عطا (۳) اعمال اختیاریہ (۴) اللہ کا فضل مانگو۔

نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر بات کو اچھی طرح جانتے ہیں یعنی وہ ہر چیز کی مصلحت کو تم سے زیادہ جانتے ہیں پس اس بات کو بھی وہی خوب جانتے ہیں کہ یہ نعمتِ موہوب تمہارے لئے مناسب ہے یا نہیں اور مناسب ہے تو کس وقت اور کس حالت میں مناسب ہے۔ یہ تو کیفیات کے متعلق فیصلہ کا ذکر تھا۔

کیفیات کافر کا بھی حاصل ہوسکتی ہیں

اور اس سے پہلے میں یہ کہہ رہا تھا کہ یہ کیفیات کفار کو بھی حاصل ہوجاتی ہیں تو جو چیز کافر کو بھی حاصل ہوسکے اس کے درپے نہ ہونا چاہئے اور نہ ان کیفیات کے حصول پر اکتفا کرنا چاہئے کیونکہ نجات کا مدار اعمالِ مکسوبہ ہیں۔ ان کیفیات سے قرب ونجات میں کچھ زیادہ ترقی نہیں ہوتی (ہاں یہ ضرور ہے کہ عادۃً عمل مجرد عن الکیفیۃ سے عمل مع الکیفیۃ میں خود شان اکتساب کی زیادہ ہوتی ہے اس لئے وہ اکمل ہونے کے سبب افضل ہوگا ۱۲ظ) غرض خدا کا راستہ سن کر کفار کو بھی حرکت ہوتی ہے اور وہ بھی ایک دفعہ کو بے اختیار اس راستہ پر چلنے کو تیار ہوجاتے ہیں کیونکہ خدا تعالیٰ سے سب کو محبت ہے جس کی وجہ سے جس چیز کی نسبت حق تعالیٰ کی طرف ہوجائے اس سے بھی محبت ہوتی ہے۔

آگے ارشاد ہے کہ بس لذت نسبت ہی پر کفایت نہ کرنا بلکہ آگے بڑھو اور کام کرو ﴿فَاتَّبِعُوْهُ﴾ کہ اس راستہ کا اتباع کرو اس پر چلو کیونکہ یہی وہ چیز ہے جو کافر سے نہیں ہوسکتی۔ کیفیات تو کفار کو بھی حاصل ہوسکتی ہیں مگر صراطِ خداوندی کا اتباع کافر سے بحالت کفر نہیں ہوسکتا یہ تو تمہید تھی۔

حضرت گنگوہیؒ کا ارشاد

اب میں مقصود کو عرض کرتا ہوں جو مختصر ہی ہے اور مقصود تو ہمیشہ مختصر ہی

ہوتا ہے جیسے روٹی مختصر ہے اور تمہید اس کی بہت لمبی ہے' یہ تو حسیات میں ہیں اور طریقِ باطن میں بھی مقصود مختصر اور تمہید مطول (۱) ہوتی ہے۔ چنانچہ مولانا گنگوہیؒ کا ارشاد ہے کہ سلوک کا جو حاصل پندرہ سال کے بعد معلوم ہوا ہے اگر پہلے معلوم ہوتا تو اس کے لئے ہم اتنا وقت صرف نہ کرتے میں نے اپنے دل میں کہا کہ یہ حاصل پندرہ برس کی محنت سے پہلے معلوم ہی کیوں ہوتا (اور یہ بھی حضرت قدس سرہ کا کمال تھا کہ ان کو پندرہ برس میں خلاصہ معلوم ہوگیا بہت سوں کو تو تیس اور چالیس سال کے بعد جا کر کہیں مقصود کا پتہ لگتا ہے ۱۲ظ) پس یہ مختصر ایسا ہے جیسے ایک بڑے دفتر حساب کا خلاصہ میزان کل ایک سطر میں لکھا ہوتا ہے کہ کل میزان دس ہزار پانچ سو دس ہے مثلاً یہ لفظ تو ایک سطر سے کم میں بھی آجائیگا مگر کیا آپ میزان (۲) کو بدون تمام دفتر جمع کئے معلوم کر سکتے تھے؟ ہرگز نہیں۔

تشریح آیت

غرض حق تعالیٰ نے یہاں تو صراط کو اپنی طرف منسوب فرمایا ہے اور ایک جگہ رسول اللہ ﷺ کی طرف اس کی اضافت فرمائی ہے: ﴿قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْ اَدْعُوْا اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ﴾ (۳) اور ایک مقام پر انبیاء وعلماء سب کی طرف اس کی اضافت ہوئی ہے: ﴿وَاتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَيَّ﴾ (۴) اور ایک مقام پر خود سالک کی طرف اضافت کی گئی ہے: ﴿فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا﴾ (۵)

---

(۱) مقصود مختصر اور تمہید لمبی ہوتی ہے (۲) ٹوٹل رقم بغیر پوری رقم جمع کئے معلوم نہیں کر سکتے (۳) ''آپ فرمادیجئے کہ یہ میرا طریق ہے میں خدا کی طرف اس طور پر بلاتا ہوں کہ میں دلیل پر قائم ہوں میں بھی اور میرے ساتھ والے بھی'' سورۂ یوسف: ۱۰۸ (۴) ''اور اس شخص کی راہ پر چلنا جو میری طرف رجوع ہو'' سورۂ لقمٰن: ۱۵ (۵) ''سو جس کا جی چاہے اپنے پروردگار کی طرف رستہ اختیار کرے'' سورۂ مزمل: ۱۹۔

گو یہ اضافت صریح نہیں مگر سالک کو اس طریق کے ساتھ تلبس ہونے پر یہ آیت ضرور دال ہے کیونکہ لفظ ﴿ سَبِیل ﴾ اس میں ﴿ اتَّخَذَ ﴾ کا مفعول بہ ہے اور فاعل سالک ہے اور متخِذ میں تلبس ضرور ہوتا ہے (۱) اور اضافت سے میری یہی مراد ہے۔ اضافت نحویہ مراد نہیں' اب ان اضافات متعددہ کے اسباب سنیئے حق تعالیٰ کی طرف تو اس طریق کی اضافت اس لئے ہے کہ وہ واضع طریق ہیں اور منتہائے طریق ہیں اور رسول اللہ ﷺ کی طرف اس لئے ہے کہ آپ داعی اور مبلغ ہیں۔ اور یہی وجہ نسبت الی العلماء کی ہے۔ اور سالک کی طرف اضافت کا منشا یہ ہے کہ وہ طالبِ سبیل ہے۔

رسول پاک ﷺ سے غایت تعلق کا سبب

اور فقہاء نے اصول میں بیان فرمایا ہے کہ جہاں ایک چیز دو کی طرف منسوب ہو وہاں ان دونوں چیزوں میں غایت تعلق ہوتا ہے چنانچہ اصولیین نے حرمتِ مصاہرت کے مسئلہ میں اس کی تقریر کی ہے اور بیان فرمایا ہے کہ ولد منسوب ہے واطی اور موطوٴ کی (۲) طرف اس لئے کہ ان دونوں میں تعلق قوی ہوگیا پس دونوں کے اصول وفروع ایک دوسرے پر حرام ہوجائیں گے تو ایسے ہی یہاں سمجھئے کہ سبیلِ حق کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف بھی ہے اور رسول اللہ ﷺ کی طرف بھی یہ غایت تعلق مع الرسول کی دلیل (۳) ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے حق تعالیٰ کو بہت تعلق ہے' اور منشاء اضافت الی الرسول (۴) کا یہ ہے کہ آپ داعی الی طریق اللہ ہیں جس کی طرف ﴿ اَدْعُوْا اِلَی اللّٰہِ ﴾ میں اشارہ ہے اور یہی شان علماء میں بھی

(۱) راستہ پکڑنے والا اور جسکی طرف اس راستہ پر چل کر پہنچا جائے گا دونوں میں تعلق ضرور ہوگا (۲) بچہ کی نسبت ماں اور باپ دونوں کی طرف ہوتی ہے اس لئے میاں بیوی میں تعلق قوی ہوا جس کی وجہ سے میاں کے ماں باپ اور بچے بیوی پر حرام ہوئے اور بیوی کے میاں پر (۳) یہ حضور ﷺ سے قوی تعلق کی دلیل ہے (۴) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اضافت کرنے کی وجہ۔

موجود ہے مگر بواسطہ رسول ﷺ کے۔ رسول اللہ ﷺ میں یہ شان بلاواسطہ ہے پس واسطہ اور بلا واسطہ کا فرق ہے مگر نفسِ نسبت مشترک ہے تو قاعدۂ مذکورہ بالا کے موافق یہ اس کی دلیل ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو علماء سے بہت تعلق ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کو بھی بواسطۂ رسول اللہ ﷺ کے علماء سے بہت تعلق ہے نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ جب یہ نسبت مشترک ہے اور سالک کی طرف بھی اس کی اضافت ہے تو جو اس راستہ پر چلنا شروع کرتا ہے اس سے بھی اللہ تعالیٰ کو اور رسول اللہ ﷺ کو خاص تعلق ہوجاتا ہے جب یہ سمجھ گئے۔

علماء کا مرتبہ

تو اب سنو! کہ مجھے یہاں سے ایک مسئلہ مستنبط کرنا ہے جس کا حاصل یہ شعر ہے ؎

چونکہ گل رفت و گلستاں شد خراب بوئے گل را از کہ جویم از گلاب(۱)
چونکہ شد خورشید و ما را کرد داغ چارہ نبود درمقامش از چراغ(۲)

یعنی اس وقت مجھے علماء کی شان بیان کرنا اور ان کا درجہ بتلانا ہے جو اس اضافت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت جو شخص اللہ تعالیٰ تک پہنچنا چاہے اور خدا تعالیٰ کو راضی کرنا چاہے۔ اس کے لئے بجز اتباعِ علماء کے کوئی صورت نہیں کیونکہ حضور ﷺ کی وفات ہوچکی ہے گو حضور ﷺ کی وفات بھی حیات ہی ہے مگر حیات صوریہ کے مقابلہ میں اس کو وفات کہنا ضرور صحیح ہے ہاں اللہ تعالیٰ حیّ لا یموت ہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ سے بجز انبیاء کے بلا واسطہ کوئی مستفید(۳) نہیں ہوسکتا۔ اور ہم تو

(۱) جب پھول ہی جاتے رہے اور گلستان ویران ہوگیا تو گلاب کی خوشبو گلاب کے پودے سے کہاں آسکتی
(۲) جب چمکتے سورج نے چاند کی روشنی کو ماند کردیا تو اس مقام پر چراغ بیچارا کس کام کا (۳) اللہ تعالیٰ سے سوائے انبیاء کے بغیر واسطے کے کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔

صحابہ کی طرح حضور ﷺ سے بھی بلا واسطہ مستفید نہیں ہو سکتے تو اب بجز اتباعِ علماء کے ہمارے لئے دین پر چلنے کی کوئی صورت نہیں رہی۔

آج کل کے مجتہدین

مگر حالت یہ ہے کہ بہت لوگوں کو اتباع علماء سے آج کل عار ہے بلکہ بعض کو تو اتباعِ ائمہ سے بھی عار ہے آجکل بعض لوگوں کو مشکوٰۃ و بخاری کا ترجمہ پڑھ کر اجتہاد کا دعویٰ ہے مگر اس اجتہاد کی حالت یہ ہے کہ ایک عامل بالحدیث تنہا نماز پڑھتے تو سکون سے پڑھتے۔ اور امامت کرتے تو خوب ہل ہل کر نماز پڑھتے کسی نے ان کو ٹوکا کہ تم امامت کے وقت اس قدر کیوں ہلتے ہو؟ تو کہا حدیث میں اس کا حکم آیا ہے اور مشکوٰۃ کا ترجمہ نکال کر لائے جس میں ((مَنْ اَمَّ مِنْکُمْ فَلْیُخَفِّفْ)) کا ترجمہ لکھا تھا کہ ''جو شخص امام بنے وہ ہلکی نماز پڑھے'' مجتہد صاحب نے ہلکی کو ہل کے پڑھا اور نماز میں ہلنے لگے۔

صاحبو! میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ آج کل دعویٰ اجتہاد وُہی کرتا ہے جس کو علم سے مَس بھی نہیں ورنہ صاحب علم کبھی دعویٰ اجتہاد نہیں کرسکتا کیونکہ جب کمالِ علم حاصل ہوتا ہے اس وقت معلوم ہوتا ہے کہ ہم جاہل ہیں چنانچہ مولانا محمود حسن صاحبؒ کا ارشاد ہے کہ عمر بھر پڑھنے پڑھانے کا یہ نتیجہ نکلا کہ ہم جہلِ مرکب سے جہلِ بسیط میں آ گئے۔ بھلا ایسا شخص دعویٰ اجتہاد کیوں کر کرسکتا ہے۔ پس مدعی وہ لوگ ہیں جن کو علم کی ہوا بھی نہیں لگی ان کو اجتہاد کی حقیقت بھی معلوم نہیں۔

فقہاء کا اجتہاد

ایک صاحب نے ریل میں مجھ سے سوال کیا تھا کہ اجتہاد کسے کہتے ہیں

میں نے کہا کہ تم اس کی حقیقت اصطلاحی الفاظ میں تو کیا سمجھو گے میں ایک مثال سے اس پر تنبیہ کئے دیتا ہوں بتلاؤ اگر دو شخص سفر میں ہوں اور صبح کی نماز کا وقت آئے اور پانی موجود نہ ہو اس لئے دونوں کو تیمّم کرنا پڑے مگر ایک نے تو وضو کا تیمّم کیا۔ دوسرے نے بوجہ رات کو احتلام ہو جانے کے غسل کا تیمّم کیا تو ان دونوں میں سے امام کون بنے اور کس کی امامت افضل ہے؟ کہا کہ اس شخص کی جس نے وضو کا تیمّم کیا ہے کیونکہ طہارت تو دونوں کو برابر حاصل ہے اور حدث ایک کا اصغر ہے اور دوسرے کا اکبر اس لئے وضو کے تیمّم والے کی طہارت اقوی ہے' میں نے کہا یہ تو تمہارا اجتہاد ہے۔ اب سنو فقہاء نے تیمّم غسل والے کو امام کے لئے افضل فرمایا ہے وہ یہ بات سن کر بڑے حیران ہوئے اور وجہ پوچھنے لگے کہ فقہاء نے یہ بات کہاں سے فرمائی؟ میں نے کہا کہ فقہاء فرماتے ہیں کہ جب پانی موجود نہ ہو تو تیمّم طہارت کاملہ ہے حدث اکبر کے لئے بھی اور حدث اصغر کے لئے بھی' جب تیمّم طہارت کاملہ ہے تو جس نے غسل کا تیمّم کیا ہے وہ افضل ہے کیونکہ نائب اکمل کا اکمل ہے اس لئے غسل والے کا تیمّم اکمل ہے(۱)۔ اس دلیل کو سن کر ان کی آنکھیں کھل گئیں اور کہنے لگے واقعی اجتہاد کرنا انہی حضرات کا کام تھا۔

صاحبو! تم جب چاہو امتحان کرلو کہ حدیث سے بیس احکام تم مستنبط کرو اور وجہ استنباط پیش نظر رکھو۔ پھر ان احکام کے متعلق فقہاء کا کلام اور ان کا استدلال معلوم کرو تو واللہ خود قسم کھا کر کہو گے کہ فقہاء حدیث اور قرآن کو خوب سمجھتے ہیں۔

(۱) اسی طرح عطاء بن ابی رباحؒ سے سوال کیا گیا کہ عورتیں اگر باہم جماعت کریں تو امامت کے لئے اُن میں کون افضل ہے؟ فرمایا کہ جو حاملہ ہو" لکون طهر ها اكمل من طهر غير الحامل لبراء تها من الحيض ما دامت حاملا" یہ جواب غیر مجتہد کبھی نہیں دے سکتا ۱۲ظ۔ (ترجمہ) اس لئے کہ حاملہ کی طہارت غیر حاملہ کے مقابلہ میں اکمل ہے کہ اس کو اس وقت سے پاکی حاصل ہے جس وقت اسے حمل ٹھہرا تھا (سبحان اللہ)

غیر مقلدین کے فقہاء پر اعتراض کا جواب

اہل حدیث کو فقہاء پر یہ اعتراض ہے کہ یہ احادیث کے خلاف مسائل بیان کرتے ہیں۔

میں اس کا یہ جواب دیتا ہوں کہ عمل بالحدیث کے معنی اگر عمل بکل الحدیث ہے تو اس معنی کر تو تم بھی عامل بالحدیث نہیں کیونکہ بہت سی احادیث کو جو حنفیہ کے موافق ہیں تم چھوڑتے ہو۔ اور اگر اس کے معنی عمل ببعض الحدیث ہیں تو اسی معنی کو ہم بھی عامل بالحدیث ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ تمہارے دلائل بخاری و مسلم میں ہیں۔ اور ہمارے دلائل مصنف ابن ابی شیبہ اور مصنف عبدالرزاق میں ہیں تو وہ بخاری و مسلم کے بھی استاد اور استادالاستاد ہیں۔ گو شاگرد زیادہ مشہور ہو جائے' پھر اس کی کیا وجہ کہ تم ائمہ فقہاء کو حدیث کا مخالف کہتے اور ان پر طعن کرتے ہو۔

غیر مقلدین سے شکایت

اور دراصل ہم کو غیر مقلّدوں سے اسی کی زیادہ شکایت ہے۔ کہ وہ ہمارے ائمہ کو بُرا کہتے ہیں اگر وہ ائمہ کو بُرا نہ کہیں تو تقلید یا ترکِ تقلید سے ہم کو زیادہ بحث نہیں یہ تو ہر شخص کا خدا کے ساتھ اجتہادی معاملہ ہے خواہ تقلید سے خدا کو راضی کرلے یا ترکِ تقلید سے' ہمارا اجتہادی خیال یہ ہے کہ ہم بدون تقلید کے دین پر عمل نہیں کر سکتے اگر کسی کا اجتہادی خیال یہ ہے کہ ترکِ تقلید سے بھی دین پر عمل ہوسکتا اور خدا راضی ہوسکتا ہے۔ تو اس کو اختیار ہے ہم اس کے ساتھ نہ الجھیں گے مگر اس کی کیا وجہ کہ وہ مقلدوں سے الجھتے ہیں اور اس سے بڑھ کر یہ کہ ہمارے ائمہ کو بُرا کہتے ہیں۔ حالانکہ ہم ان کے ائمہ کو بُرا نہیں کہتے بلکہ ہم تمام محدثین کو بھی اپنا امام سمجھتے اور ان کی عظمت کرتے ہیں' اور کسی کی تحقیر کو جائز نہیں سمجھتے۔

غیر مقلدین کو نصیحت

ایک دفعہ میں قنوج گیا تو غیر مقلدوں نے میری دعوت کی حنفیوں نے تو مجھے منع کیا اور کہا کہ ان لوگوں کا کیا اعتبار کہیں سنکھیا نہ دیدیں۔ مگر میں نے دعوت قبول کی اور کھانے کے بعد یا قبل ان سے کہا کہ میں آپ کا بالقوۃ یا بالفعل نمک خوار ہوگیا ہوں' اس لئے میرے ذمہ آپ کی خیر خواہی لازم ہوگئی۔ اس خیر خواہی کی بناء پر میں آپ کو دو نصیحت کرتا ہوں ایک یہ کہ بدگمانی نہ کرو' دوسرے یہ کہ بدزبانی نہ کرو' غیر مقلدوں میں یہ دو مرض زیادہ غالب ہیں۔ اسی وجہ سے وہ ائمہ کو حدیث کا مخالف سمجھتے ہیں۔ ان کے نزدیک تاویل و قیاس کے معنی مخالفت حدیث ہیں۔ گو وہ مستند الی الدلیل ہی ہو۔

عام آدمی اجتہاد کی اہلیت نہیں رکھتا

ایک عامی نے ایک غیر مقلد عالم کو اسی بناء پر سخت الزام دیا۔ ان سے پوچھا کہ ((مَنْ تَرَكَ الصَّلٰوةَ مُتَعَمِّدًا فَقَدْ كَفَرَ)) کے کیا معنی ہیں؟ کہا کہ معنی کیا ہوتے' تاویل ہی کی کیا ضرورت ہے بس جو نماز نہ پڑھے وہ کافر ہے' عامی نے کہا کہ حنفی لوگ امام کے پیچھے فاتحہ نہیں پڑھتے اور حدیث میں ہے کہ ((لَا صَلٰوةَ لِمَنْ لَّمْ يَقْرَأْ بِاُمِّ الْكِتَابِ))(۱) تو یہ لوگ آپ کے اصول پر کہ اس میں کچھ تاویل نہیں تارکِ صلوۃ ہوئے اور تارکِ صلوۃ کافر ہے تو کیا حنفی سب کافر ہیں؟ جناب وہ عالم دم بخود ہوگئے اور ایسے خاموش ہوئے کہ کچھ جواب نہ بن پڑا۔ کیونکہ وہ محض اس بات پر ان کی تکفیر نہیں کرتے پس نہ حنفیوں کو کافر کہہ سکے اور نہ حدیث میں تاویل کر سکے کیونکہ تاویل اور قیاس کرنا ان کے نزدیک شرک و کفر میں داخل ہے مگر عامی نے ان کو الزام دیکر بتلادیا کہ بدون تاویل و قیاس کے چارہ نہیں اور یہ الزام دینے

(۱) ''جس نے سورۂ فاتحہ نہیں پڑھی اس کی نماز نہیں ہوتی''۔

والا ایک عامی لوہار تھا۔

غرض مشکوٰۃ و بخاری کا ترجمہ دیکھ کر اجتہاد کرنا جاہلوں کا کام ہے۔ اپنے منہ میاں مٹھو بننا اور بات ہے مگر وہ کسی محقق عالم کے سامنے اپنے اجتہادات بیان کریں تو حقیقت معلوم ہوجائے وہ ان کے سب اجتہادیات کی قلعی کھول کر رکھ دے گا اور ان سے اقرار کرائے گا کہ تم اجتہاد کے ہرگز اہل نہیں اسی لئے کہا گیا ہے ؎

بنمائے صاحب نظرے گوہر خودرا عیسیٰ نتواں گشت بتصدیق خرے چند(۱)

عارف فرماتے ہیں ؎

شاہد آں نیست کو موئے ومیانے دارد بندہ طلعت آں باش کہ آنے دارد(۲)

اجتہاد ایک خاص آن ہے جو امر ذوقی ہے محض کتابوں کے یاد کر لینے کا نام اجتہاد نہیں ؎

نہ ہر کہ چہرہ برا فروخت دلبری داند نہ ہر کہ آئینہ دارد سکندری داند

ہزار نکتۂ باریک ترزمو اینجاست نہ ہر کہ سر بترا شید قلندری داند(۳)

البتہ دو علموں میں اب بھی اجتہاد باقی ہے۔ ایک طبِ باطنی میں ایک ظاہری میں جو شخص ان میں مجتہد نہ ہو اس کو علاج کرنا جائز نہیں۔

عوام کے لئے اتباعِ علماء لازم ہے

میں یہ کہہ رہا تھا کہ آج کل عوام کو اتباعِ علماء سے عار ہے حتی کہ بعض کو

(۱) اپنے موتی کو کسی صاحب نظر کو دکھاؤ پھر حقیقت کھلے گی چند گدھوں کی تصدیق سے تم عیسیٰ علیہ السلام جیسے پاکباز نہیں ہوسکتے (۲) ہر اس آدمی کو کہ جس نے لمبی زلفیں رکھی ہوں پتلی کمر معشوق مت بناؤ بلکہ اس حسین کو اپنا محبوب بناؤ جو اپنے اندر ایک شانِ محبوبیت رکھتا ہو (۳) ہر وہ شخص کہ جس کا چہرہ خوبصورت ہے ضروری نہیں کہ انداز محبوبیت جانتا ہو جیسے ہر وہ شخص کہ جس کے پاس آئینہ ہو وہ سکندر ہونے کا دعوی کرے ٹھیک نہیں۔ بال سے بھی زیادہ باریک ہزاروں نکات اور باریک باتیں یہاں ہیں اسی لئے ہر اس شخص کو کہ جس نے سر کے بال منڈوالئے ہیں مت سمجھو کہ وہ قلندری بھی جانتا ہے۔

ائمہ کے اتباع سے بھی عار ہے۔ مگر وہ یاد رکھیں کہ خدا کا راستہ بدون اتباعِ علماء واتباعِ ائمہ کے نہیں مل سکتا عوام اگر خدا تک پہنچنا چاہتے ہیں تو ان کے لئے طریقہ یہی ہے کہ علماء سے احکام پوچھ پوچھ کر ان کا اتباع کریں ان کو علما سے دلائل و حکم دریافت کرنے کا حق نہیں صرف احکام دریافت کرنے کا حق ہے۔

علماء احکام کی علتیں بیان نہ کریں

اور علماء کو بھی چاہئے کے عوام کے سامنے دلائل و حکم بیان نہ کیا کریں۔ میرا یہی طرز ہے چنانچہ علی گڑھ میں ایک پروفیسر نے جو عربی ادب کے بڑے ماہر تھے مجھ سے ایک حدیث کا متن پڑھ کر جسمیں آیا ہے کہ ''زنا کی کثرت سے طاعون پھیلتا ہے'' سوال کیا کہ یہ بات سمجھ میں نہیں آئی؟ میں نے کہا حدیث کا مدلول سمجھ میں نہیں آیا یا جنایت وعقوبت میں وجہ ربط سمجھ میں نہیں آئی (۱) ؟ کہا ربط سمجھ میں نہیں آیا' میں نے کہا ربط کے سمجھنے کی ضرورت ہی کیا ہے' اس پر کوئی دین کا کام اٹکا ہوا نہیں ہے آپ بدون علم ربط (۲) ہی کے حدیث پر ایمان رکھیئے۔ کہا اس میں ایک نفع ہے میں نے کہا وہ کیا؟ کہا زیادت اطمینان' میں نے کہا خود اطمینان کے مطلوب ہونے کی کیا دلیل؟ کہا دلیل اس کی حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ارشاد ہے: ﴿وَلٰـكِـنْ لِّيَـطْـمَـئِنَّ قَلْبِىْ ﴾ (۳) میں نے کہا یہ کیا ضرور ہے کہ جو چیز حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نافع تھی وہ آپ کو بھی نافع ہو (۴) بس اس پر وہ خاموش ہو گئے۔

علماء کو عوام کے ساتھ یہی طرز اختیار کرنا چاہئے کہ دلائل وحکم واسرار ان کے سامنے بیان نہ کریں۔ اس سے ان کا دماغ خراب ہوتا ہے پھر وہ کوئی حکم بدون علت و

---

(۱) یہ بات سمجھ میں نہیں آئی کہ حدیث کن معنی پر دلالت کر رہی ہے یا یہ بات سمجھ میں نہیں آئی زنا کے جرم اور اسکی سزا میں طاعون کے عذاب میں مبتلاء ہونے میں کیا ربط ہے (۲) بغیر ربط سمجھے حدیث کے معنی پر یقین رکھئے (۳) ''تاکہ مجھے اطمینان قلب حاصل ہو'' سورۂ بقرہ ۲۶۰ (۴) جس بات سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو فائدہ ہوا آپ کو بھی ہو۔

حکمت معلوم کئے قبول نہ کریں گے اور بعض احکام کی علل وحکم دقیق ہوتیں ہیں عوام بیان کے بعد بھی ان کو نہیں سمجھ سکتے۔ وہاں عوام یا تو عمل ترک کریں گے یا علما علت و حکمت کے سمجھانے میں اپنا دماغ اور وقت ضائع کریں گے اس سے بہتر یہی ہے کہ عوام کے سامنے صرف احکام بیان کئے جائیں۔ یہ تو علماء کا کام ہے اور عوام کا فرض یہ ہے کہ علماء کا اتباع کریں خود اجتہاد نہ کریں' ان سے احکام دریافت کریں۔ علل وحکم دریافت نہ کریں۔

علماء کو نصیحت

علماء کو ایک بات کی اور نصیحت کرتا ہوں وہ یہ کہ جس کے سر پر بڑے موجود ہوں اس کو اپنی شہرت کی کوشش نہ کرنا چاہئے بلکہ جہاں تک ہو اپنے کو گم کرو۔ گمنامی میں (۱) رہو کیونکہ بڑا بننا سخت خطرہ کی بات ہے۔ اور شہرت سے دنیوی مصائب کا دروازہ بھی کھل جاتا ہے۔ مولانا فرماتے ہیں ؎

خویش را رنجور ساز وزار زار تاترا بیروں کنند ازاشتہار
اشتہار خلق بند محکم است بند ایں از بند آہن کے کم است
چشمہا و خشمہاؤ اشکہا برسرت ریزد چو آب از مشکہا(۲)

یعنی اشتہاری آدمی مجرم ہوتا ہے (یہ لطیفہ ہے) یہ تو آج کل قانون بھی ہے پس سلامتی اسی میں ہے کہ چھوٹے بن کر رہو اس میں دین کی بھی سلامتی اور دنیا کی بھی اور جس کے سر پر کوئی بڑا نہ ہو اس کے لئے میں دوسرا طریقہ بتلاتا ہوں اور

(۱) اپنے کو مٹاؤ گوشہ گمنامی میں رہو (۲) خود کو شکستہ دل اور غمگین بناؤ تا کہ تمہاری شہرت ختم ہو سکے۔ مخلوق میں شہرت ختم ہونا ایک مضبوط بند ہے۔ یہ بند لوہے کے بند سے بھی مضبوط ہوتا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ تمہیں اسی لئے پریشانیوں میں مبتلاء کرتے ہیں۔

اس کے مستحسن ہونے پر قسم کھا سکتا ہوں وہ یہ کہ اپنے چھوٹوں سے مشورہ کیا کرے۔ ان شاء اللہ غلطیوں سے محفوظ رہیگا۔

مریدین کو نصیحت

اس کے بعد میں ایک نئی بات کہتا ہوں جو اکثر لوگوں کے ذہن میں نہیں ہے کہ مرید کو شیخ کی رائے سے مخالفت کا حق نہیں اگرچہ دوسری شق بھی مباح ہو کیونکہ مرید کا تعلق شیخ سے استاد شاگرد جیسا نہیں ہے بلکہ اس طریق میں مرید شیخ کا معاملہ ایسا ہے جیسے مریض اور طبیب کا معاملہ ہے کہ مریض کو فتوی طبیب کی مخالفت جائز نہیں ایسے ہی یہاں مرید مریض ہے اور شیخ طبیب ہے اس لئے مرید کو شیخ کی مخالفت جائز نہیں۔ ہاں دوسرا شیخ اس شیخ کے اجتہاد سے مزاحمت (۱) کرسکتا ہے جیسے ایک طبیب دوسرے طبیب سے مزاحمت کرسکتا ہے مگر مرید تو تربیت میں طبیب نہیں اور جب تک طبیب نہیں اس وقت تک مریض ہے پس اس کے ذمہ اتباع قول طبیب لازم ہے ہاں یہ شرط ہے کہ اس کا قول خلافِ شریعت نہ ہو۔ اگر مرید کے نزدیک شیخ کا قول خلاف شرع ہو تو مخالفت جائز بلکہ لازم ہے مگر ادب کے ساتھ (گو واقع میں خلافِ شریعت نہ ہو مگر یہ تو اپنے علم کا مکلّف ہے ۱۲ ظ)۔

سید صاحب کا مذاق توحید

جیسے حضرت سید صاحب بریلوی کو شاہ عبدالعزیز صاحبؒ نے تصور شیخ تعلیم فرمایا تو سید صاحب نے اس سے عذر کیا کہ مجھے اس سے معاف فرمایا جائے۔ شاہ صاحب نے فرمایا ؎

بے سجادہ رنگین کن گرت پیر مغاں گوید کہ سالک بے خبر نبود ز راہ و رسم منزلہا (۲)

(۱) مخالفت (۲) اگر پیرِ مغان کہے تو جائے نماز مے سے گیلا کر لینا چاہیئے۔ کیونکہ سالک راہ و رسم منزل سے بے خبر نہیں ہوتا۔

سید صاحب نے عرض کیا کہ مے خواری تو ایک گناہ ہے آپ کے حکم سے میں اُس کا ارتکاب کرلوں گا پھر توبہ کرلونگا۔ مگر تصور شیخ تو میرے نزدیک شرک ہے اس کی کسی حال میں اجازت نہیں حضرت شاہ صاحب نے یہ جواب سن کر سید صاحب کو سینہ سے لگالیا کہ شاباش جزاک اللہ۔ تم پر مذاقِ توحید واتباعِ سنت غالب ہے اب ہم تم کو دوسرے راستہ سے لے چلیں گے۔ تصور شیخ وغیرہ کی کچھ ضرورت نہیں۔

مجتہدینِ ائمہ کا وجود رحمت ہے

غرض نبوت تو ختم ہوچکی ہے مگر سبیل حق منقطع نہیں ہوا۔ اس کو علماء سے معلوم کرو اور یہ رحمت ہے کہ نبوت ختم ہوگئی۔ ورنہ انکار نبوت سے کفر لازم آجاتا اور بہت سے مسلمان نبی کے انکار سے کافر ہوجاتے اب کفر سے تو بچ گئے۔ کیونکہ حضور ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں پس حضور ﷺ کے بعد کسی امتی کے انکار سے کفر لازم نہ آئے گا ہاں گناہ لازم آئے گا اگر علماء ومجتہدین سے مخالفت ومنازعت کی گئی۔

صاحبو! مجتہدین کا وجود بھی ہمارے حق میں رحمت ہے کہ ان حضرات نے محنت کرکے احکام دین کو مدون کیا اور ہم کو پکی پکائی روٹی مل گئی مگر بعض لوگ یوں کہتے ہیں کہ ہم تو خود ہی پکائیں گے اس کا جواب یہ ہے کہ بہت اچھا پکا کر دیکھ لو۔ پھر دونوں کا موازنہ کرلو خود فرق واضح ہوجائے گا۔ پس اجتہاد نہ کرو بلکہ اہل اجتہاد کا اتباع کرو۔ مجتہدین فی الاحکام الظاہرہ(۱) کا بھی اور مجتہدین فی الاحکام الباطنہ کا بھی تو یہ سبیلِ حق قیامت تک بواسطہ علماء کے باقی رہے گا جو اتباعِ علماء ہی سے آپ کو مل سکتا ہے۔ بدون اس کے راستہ نہیں مل سکتا۔ مقصود تو ختم ہوگیا۔

(۱) احکام ظاہرہ کے مجتہدین کا اتباع کرو۔

علماء کو اللہ تعالیٰ سے خاص تعلق قائم کرنے کی ضرورت ہے

اب ایک بات باقی رہی کہ اس سبیل کی اضافت سالک کی طرف جو کی گئی ہے یہ باعتبار غایت ہونے کے ہے۔ کیونکہ یہ اس کا مقصود ہے، سالک نہ اس کا موجد ہے نہ مبلغ و داعی ہے نہ داعی کا وارث ہے۔

خلاصہ یہ کہ حق تعالیٰ کو علماء سے خاص تعلق ہے، پس علماء کو چاہئے کہ وہ بھی حق تعالیٰ سے خاص تعلق پیدا کریں تاکہ فیض میں برکت ہو محض تعلق علم کافی نہیں بلکہ تعلق عملی وحالی کی ضرورت ہے اور عوام کو علماء سے خاص تعلق پیدا کرنا چاہئے، یعنی تعلق اتباع کہ ان کو خدا تعالیٰ سے بواسطہ علماء ہی کے تعلق ہوسکتا ہے۔

اب میں ختم کرتا ہوں کیونکہ وقت زیادہ نہیں ہے جن حضرات کی فرمائش سے یہ بیان ہوا ہے وہ اسی ریل سے جانے والے ہیں اور اب ریل کا وقت قریب آ گیا ہے۔

پس دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ ہم کو فہم سلیم اور عمل کی توفیق عطا فرمائیں (۱)

وصلی اللّٰہ علی سیّدنا ومولانا محمّد وعلی اٰلِہٖ واصحابہ اجمعین

---

(۱) اللہ تعالیٰ ہمیں بھی فہم سلیم اور عمل کی توفیق عطا فرمائیں آمین۔

خلیل احمد تھانوی

۷/ ذی الحجہ ۱۴۲۹ھ

﴿۱﴾